کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت انسؓ سے روایت ہے، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیارے بیٹے! اگر تجھ سے ہو سکے کہ تو صبح اور شام اس حال میں کر کہ تیرے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہ ہو تو ایسا ضرور کر۔ پھر فرمایا: پیارے بیٹے! یہ کام میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (ترمذی)

کتنا عظیم ہے وہ انسان جس کا دل کینہ اور حسد سے پاک ہو۔ یہ نیکی اور تقویٰ کا اُونچا مرتبہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت جو جنت میں آپؐ کی معیت کا سبب ہے، کسی مومن کے لیے اس چیز سے بڑھ کر کون سی چیز ہو سکتی ہے جو نہ صرف جنت کا سبب ہو بلکہ جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا بھی سبب ہو۔ پھر کون ہو سکتا ہے جو اس کھوٹ اور بیماری سے پاک ہونے کی فکر اور کوشش نہ کرے۔ معاشرے میں باہمی تصادم، ایک دوسرے پر بہتان طرازی اور گالی گلوچ، مذاق اُڑانا، غیبت کرنا، بُرے ناموں سے پکارنا، بدزبانی اور بدگمانی، جتنی بھی بُرائیاں سب کا خاتمہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دوسرے کے لیے سینے میں کھوٹ نہ ہو، بلکہ محبت، ہمدردی اور غمگساری ہو۔ تب ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے کام آئے گا، دوسرے کی عزت و حُرمت کا محافظ ہوگا، اور معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جائے گا۔ آج بدامنی ہے، دہشت گردی ہے، ظلم و زیادتی ہے، لوٹ کھسوٹ ہے، ان سب کے خاتمے کا سامان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے محبت میں ہے جس سے تمام تفرقے ختم ہو جاتے ہیں۔ اخوت و محبت اور اتحاد قائم ہو جاتا ہے۔ لوگ اپنے مفادات کے لیے سرگرم ہونے کے بجائے دوسروں کی خدمت کے لیے متحرک ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے کوئی ان احکام کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا جو احکام تمھیں دیے گئے ہیں تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ تمھارے بعد ایسا زمانہ آئے گا جو ان احکام کے دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا جو اسے دیے گئے ہیں تو نجات پالے گا۔ (ترمذی)

غلبۂ دین کے دور میں احکام پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔ بھلائیاں آسان ہوتی ہیں اور منکرات پر عمل مشکل۔ ریاست بھلائیوں کو فروغ دیتی اور منکرات کو مٹاتی ہے۔ ایسی صورت میں کسی کے لیے کسی حکم کی خلاف ورزی کا راستہ بند ہوتا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی بند دروازے کو توڑے اور بُرائی کا ارتکاب کرے تو اپنے نفس کا غلام شمار ہو کر اللہ تعالیٰ کے غضب کا حق دار ہو جائے گا۔ لیکن جب اسلام مغلوب ہو، ریاست دین کی حفاظت چھوڑ دے، لوگوں کے لیے آزادی ہو، جو چاہیں کریں تو جو شخص پھر بھی دین پر عمل کرے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ کا غلام ہے۔ گو ایسی صورت میں دین کا بہت سا حصہ معطل ہو جاتا ہے اور لوگ اس پر عمل نہیں کر سکتے، لیکن انھیں ان کے جذبے کا اجر اور پھل مل جائے گا۔ ایسے ماحول میں ان لوگوں کو بھی قابلِ قدر سمجھنا چاہیے جو دین پر تھوڑا بہت عمل کریں اور مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی ہمت مزید بڑھانا چاہیے۔ انھیں دین کے علم اور اس پر عمل کی ترغیب دینا چاہیے۔ ان کی اصلاح اور تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اُمت میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو یہ کام کرے کہ نافرمانی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرائے اور نیکی کرنے والوں کو جنت کی بشارت دے۔ یہ انذار اور بشارت دین کے اہم تقاضے ہیں جن کے لیے انبیا علیہم السلام کے بعد اُمت میں اس کام کے لیے زندگیاں لگا دینے والوں کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

○

کثیر بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں حضرت ابوالدرداءؓ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا کہ میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے پاس ایک حدیث کی تصدیق حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں جس کے متعلق مجھے بتلایا گیا ہے کہ آپ اسے بیان کرتے ہیں۔ میں آپ سے اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلے میں نہیں آیا۔ اس پر حضرت ابوالدرداؓ نے (اس کے سفر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے) فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سنا ہے، جو آدمی طلبِ علم کے لیے کسی راستے پر چلے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا دیتے ہیں اور فرشتے اس کے لیے اپنے پَر بچھا دیتے ہیں۔ طالب علم کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور عالم کے لیے وہ تمام مخلوق جو آسمان اور زمین میں ہے اور مچھلیاں سمندر میں استغفار کرتی ہیں۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جو چاند کو باقی ستاروں پر ہے۔ اور علما انبیا کے وارث ہیں۔ انبیا نے دینار اور درہم وراثت میں نہیں چھوڑے بلکہ انھوں نے علم کی وراثت چھوڑی ہے، جس نے علم حاصل کرلیا تو اس نے بہت بڑی دولت حاصل کرلی۔ (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

صحابہ کرامؓ نے دین کے حصول کے لیے مشقتیں اُٹھائیں۔ ایک ایک حدیث جو انھوں نے سن رکھی تھی اور اس کی تصدیق کے لیے بھی اس شخصیت سے ملاقات کے لیے سفر کیے جس کے متعلق انھیں پتا چلا کہ یہ حدیث انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اس طرح تکالیف اُٹھا کر دین حاصل کیا اور اگلی نسلوں کو منتقل کیا جو آج ہمارے پاس ان کے ذریعے سے محفوظ ہے۔ انھیں علمِ دین حاصل کرنے کا شوق تھا، اس کی فضیلت پر ان کو پورا یقین تھا کہ علم دین انبیا کی وراثت ہے۔ اس علم کے ذریعے انبیا علیہم السلام کے ترکے کی دولت حاصل کرنا ہے، فرشتوں اور خلقِ خدا کی دعائیں لینا ہیں۔ یہ انتہائی قیمتی سرمایہ ہے جو ہر کوئی حاصل کرسکتا ہے۔ ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں جنھیں علمِ دین کے شوق نے سرگرم رکھا ہے۔ آج بھی بہت سے خوش نصیب اس کے لیے دنیاوی آسایشوں اور منافع کو قربان کیے ہوئے علمِ دین حاصل کر رہے ہیں اور اس کو پھیلانے میں مصروف ہیں۔ دروسِ قرآن اور دروسِ حدیث کی محافل اور مجالس کی رونقیں ان کی بدولت قائم ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے سب سے اہم دولت تو یہی علمِ دین ہے اور اسی لیے طلب علم ہر مومن مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس فرض کو ادا کرنے کا احساس ہوجائے اور ہر شخص اپنے حصے کے فرض کو ادا کرنا شروع کردے، تو پھر وہ معاشرہ جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا دوبارہ زندہ ہوسکتا ہے۔ اس علم کے نور سے کفر و شرک اور فسق و فجور کی تاریکیاں چھٹ سکتی ہیں۔

○

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ فرائض اور قرآن کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو ان کی تعلیم دو، اس لیے کہ میں اُٹھایا جانے والا ہوں۔ (ترمذی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ان کا فرض یاد دلایا کہ مجھ سے قرآن پاک خصوصاً فرائض، یعنی میراث کا علم حاصل کرو۔ میرا فرض تمھیں تعلیم دینا ہے اور تمھارا فرض مجھ سے علم حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو تعلیم دینا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنا فرض احسن طریقے سے ادا کیا، اس کا اجر انھیں مل رہا ہے اور قیامت تک ملتا رہے گا۔ یہ علم صدقۂ جاریہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقۂ جاریہ، صحابہ کرامؓ کا صدقۂ جاریہ۔ اس صدقۂ جاریہ میں جو بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر شامل ہونا چاہے اس کے لیے راستہ کھلا ہے۔ یہ وہ سلسلہ ہے جس میں شامل ہونے کی تڑپ اور طلب ایک انسان کی زندگی کا باقی رہنے والا اور دنیا و آخرت میں کام آنے والا توشہ ہے۔

○

حضرت علیؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوڑے رزق پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

رزق اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے جسے زیادہ دینا چاہے زیادہ دیتا ہے اور جسے تھوڑا دینا چاہے تھوڑا دیتا ہے۔ انسان رزق کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ یہ دوڑ دھوپ جائز ہے، جب کہ رزق حلال کے لیے ہو۔ بعض انسانوں کی دوڑ دھوپ سے انھیں رزق زیادہ ملتا ہے اور بعض لوگ زیادہ دوڑ دھوپ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود انھیں تھوڑا ملتا ہے۔ ہم روز مرہ زندگی میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کوئی تو کسی بڑی جایداد اور جاگیر کا مالک بن جاتا ہے۔ کوئی بڑے عہدے اور منصب پر فائز ہو جاتا ہے اور کوئی چھوٹے درجے کی مزدوری تک رسائی حاصل کرتا ہے اور کوئی اس سے بھی محروم رہتا ہے۔ جو آدمی اس طرح کی صورتِ حال میں تنگی اور مشقت سے دوچار ہو اور بقدر گزارا رزق پر راضی ہو، یہ سمجھے کہ میرے مالک کی مرضی یہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی پر قائم ہو، تو اس کا اجر اسے آخرت میں ملے گا۔ وہ تھوڑے رزق پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہوا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا۔ اس کی تھوڑی نمازیں، تھوڑے روزے، تھوڑی تلاوت اور تھوڑے اذکار کو زیادہ کر کے اسے جنت میں داخل کر دے گا اور اس سے آسان حساب ہوگا۔ اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جو مطلوب ہے اور وہ اسے مل جائے گی۔ قرآن پاک میں ہے: وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط (التوبہ ۹:۷۲) ’’اللہ تعالیٰ کی تھوڑی رضامندی بھی بہت بڑی نعمت ہے‘‘۔

○

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ مجھے میرے خلیل (پیارے دوست) صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا۔ مجھے حکم دیا کہ مسکینوں سے محبت رکھوں اور ان سے قریب رہوں اور مجھے حکم دیا کہ اپنے سے کم تر حیثیت کے شخص پر نظر رکھوں نہ کہ اپنے سے برتر حیثیت والے شخص پر (یعنی مال اور عہدہ اور منصب کے لحاظ سے کم تر اور برتر)، اور مجھے حکم دیا کہ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ مجھ سے قطع رحمی کی جائے، اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں کسی سے کچھ نہ مانگوں اور مجھے حکم دیا کہ میں حق کہوں اگرچہ وہ کڑوا ہو اور مجھے حکم دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھاؤں اور مجھے حکم دیا کہ میں لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ کا ذکر کثرت سے کروں کیونکہ یہ عرشِ الٰہی کے نیچے کا خزانہ ہے۔ (مسند احمد)

یہ سات اوصاف ایک مسلمان کی سیرت کے نمایاں اور چمکتے دمکتے اوصاف ہیں۔ یہ مومن کی سیرت و کردار کے حسین وجمیل نگینے ہیں۔ ان اوصاف سے ایک مومن کا حُسن و جمال نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ مومن مساکین سے محبت کرنے والا اور ان کا ساتھی ہوتا ہے، قرابت داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے، شکر کرتا ہے، اپنے سے کم تر کو دیکھ کر اس احساس کو اُجاگر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس سے اور اسی طرح کے بے شمار لوگوں سے زیادہ احسان فرمایا جس کا میں شکر نہیں ادا کرسکتا۔ وہ ناشکری پیدا کرنے والی چیزوں پر ایسی نظر ہی نہیں ڈالتا کہ اپنے آپ کو نعمتوں سے محروم سمجھے اور احساسِ محرومی کا شکار ہو جائے۔

حق بات کہنا اس کی طبیعت اور مزاج ہوتا ہے۔ اسے دین کے معاملے میں کسی کی ملامت کا خوف نہیں ہوتا، وہ دین پر عمل کو اپنے لیے عار نہیں سمجھتا۔ صحابہ کرامؓ پیوند لگے ہوئے کپڑوں میں بڑے بڑے بادشاہوں کے شاہی قالینوں پر اپنے جوتوں سمیت جا کر ان کے برابر میں جابیٹھتے تھے۔ کسی احساسِ کم تری میں مبتلا نہیں ہوتے تھے، جس کی وجہ سے انھوں نے دنیا کو متاثر کیا۔ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اللہ کا ذکر، اللہ تعالیٰ کی قوت اور اس کی چاہت پر ان کی نظر ہوتی ہے۔ وہ اسی کو فیصلہ کن قرار دیتے ہیں۔ اپنی قوت و طاقت، اپنے اسلحے اور اپنی فوج پر وہ تکیہ نہیں کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ان کو یہی درس ملا، قرآنِ پاک نے انھیں یہی سکھلایا۔ آج اگر ہم اپنی سیرت میں ان نورانی صفات کو شامل کرلیں تو اس کے نتیجے میں ہم اسی کردار کے ادا کرنے کے قابل ہو جائیں گے جو کردار صحابہ کرامؓ نے ادا کیا۔